شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ
رحیمیہ
لاہور

بانی: حضرت اقدس مولانا **شاہ سعید احمد** رائے پوریؒ
قدّس اللّٰہُ سِرّہُ السّعید مسند نشین رابع خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مدیرِ اعلیٰ: حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ

مجلس ادارت
سرپرست: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن
صدر: مفتی عبدالمتین نعمانی
مدیر: محمد عباس شاد

جنوری **2016**ء / ربیع الاوّل، ربیع الثانی **1437** ھ — جلد نمبر **8**، شمارہ نمبر **1** – قیمت: **20** روپے — سالانہ ممبرشپ: **200** روپے – تین سالہ ممبرشپ: **500** روپے

ارشادِ گرامی حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ
مسند نشین ثانی
خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور

فرمایا: ''سلوک'' کی بھی ضرورت ہے کہ سلوک کے بغیر وہ ملکہ پیدا اور راسخ نہیں ہوتا، جس کو ہم (دین میں) ''استقامت'' سے تعبیر کرتے ہیں۔

اب تو (حال یہ ہے کہ) جن لوگوں سے (دنیا کا) کوئی کام بن نہیں آتا، وہ اِدھر (تصوف کی طرف) محض اس لیے آتے ہیں کہ یہ بھی مفت خوروں کی ایک فوج ہے اور اسی طرح اپنا گزارہ کرو۔ وہ دیکھتے ہیں کہ آخر ان کو جو کچھ کھانے پینے کو ملتا رہتا ہے، ان کے پاس بھی کچھ ہے اور لوگ اعتقاد میں سمجھتے رہتے ہیں کہ ''حضرت جی ___ خواہ سو رہے ہوں ___ نہیں معلوم کون سے آسمان اور کس مقام میں پھر رہے ہیں۔'' اب (موجودہ صورتِ حال یہ ہے کہ) جس کو کچھ دنیا کا (کام) کرنا آتا ہو، وہ تو ادھر (تصوف کی طرف) متوجہ نہیں ہوتا۔''

(مجلس: 4/ ذی الحجہ 1365ھ/ 30/ اکتوبر 1946ء، بروز: بدھ۔ مقام: رائے پور)
(ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، ص: 200۔ طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور)

رحیمیہ کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جاسکتا ہے۔

فہرست مضامین

- رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ بہادر تھے
- تکمیل دین اور ختم نبوت
- سرمایہ دارانہ نظاموں کا فریب اور علاقائی اتحاد کی ضرورت
- نظامِ ارتفاقات اور انقلابی جدوجہد کی اہمیت
- نئے عالمی منظرنامے پر ایک نظر
- پاکستان کے معاشی مسائل
- مجالس؛ افاداتِ علم وحکمت
- کامل ترین ہستی
- ہمہ گیر بین الاقوامی نظام کی تشکیل
- نبوت کا اصل مقصد اور ہدف
- ایمان کی بنیادیں؛ اسوۂ حسنہ کے تناظر میں
- بچو! عمدہ لکھنے کی کوشش کرو
- مامون الرشید کی فقہی بصیرت
- قطبِ عالم حضرت عالی شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ
- خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور شریف
- دینی مسائل

ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ رجسٹرڈ) لاہور

رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
0092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org
Email: info@rahimia.org

ممبرشپ کی رقومات کی ترسیل بنام ''ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ ٹرسٹ لاہور'' الائیڈ بینک مزنگ چونگی برانچ، کوڈ **0533** اکاؤنٹ نمبر **0010030341820010**

www.rahimia.org

درسِ قرآن

تفسیر: حضرت مولانا سید محمد میاںؒ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ بہادر تھے

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝ (21:33)

(حقیقت یہ ہے کہ تمھارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عمدہ نمونہ موجود تھا (تم کو بھلی تھی سیکھنی رسول کی چال۔ ترجمہ شاہ عبدالقادرؒ) نہ صرف عام مسلمانوں کے لیے (بلکہ ہر ایسے پاک باز، خداترس مومن بااخلاص کے لیے) جو اُمید لگائے ہوئے ہے اللہ سے۔ ڈرتا ہے پچھلے دن (روزِ آخرت) سے اور یاد کرتا ہے اللہ کو کثرت سے۔)

اس آیت کی بنا پر علمائے کرام کا فیصلہ ہے کہ سرورِ کائنات رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی انسان کے لیے اُس کے انفرادی، اجتماعی، خانگی، ملکی، معاشرتی واخلاقی معاملات و حالات؛ غرض ہر ہر گوشے میں شمعِ ہدایت ہے اور اس بنا پر زندگی کے ہر ایک شعبے میں اور ہر ایک چھوٹے بڑے امر (کام) میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ضروری اور واجب ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اس آیت سے فقہی مسائل میں استدلال کیا گیا ہے کہ کسی انسان کا جو فعل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونے اور بقول حضرت شاہ عبدالقادر (دہلوی) صاحبؒ آپ کی چال سے ملتا جلتا ہو، وہ جائز، مستحسن اور عنداللہ پسندیدہ ہے اور جو فعل اس مقدس نمونے کے معیار پر صحیح نہ اُترتا ہو، وہ حسبِ مراتب مکروہ تنزیہی یا مکروہ تحریمی اور بعض اوقات حرام ہے۔ لیکن یہ قرآن پاک کا اعجاز ہے کہ اس آیت کو ایسے موقع پر ایک ایسی ترتیب سے پیش فرمایا کہ یہ آیت اس بارے میں بھی حجت اور بُرہان بن گئی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ اولوالعزم، سب سے زیادہ دلیر، ثبات واستقلال کے کوہِ گراں اور سب سے زیادہ باحوصلہ بہادر ہیں۔ اس آیت کے ورود سے ایک طرف منافقین کو عار دلائی جا رہی ہے کہ تمھاری جان کی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان بھی ہے، مگر دیکھو! کس طرح وہ اپنی جان سے بے پرواہ، مصائب وشدائد کے مقابلے میں سینہ سپر ہیں اور کس بہادری سے ثبات واستقلال کی اعلیٰ مثال پیش کر رہے ہیں۔ دوسری طرف باہمت اور باحوصلہ بہادر مسلمانوں کے حوصلے بڑھائے اور اُن کی ہمتیں بلند کرنے کے لیے ذاتِ اقدس کی مثال پیش کی جا رہی ہے۔ ظاہر ہے بہادروں کے لیے نمونہ اور اُسوۂ حسنہ وہی بن سکتا ہے، جو سب سے زیادہ بہادر ہو۔ استقلال واستقامت کا درس وہی دے سکتا ہے، جو سب سے زیادہ پیکرِ استقامت اور کوہِ استقلال ہو۔ یہی شان تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ جب ہی تو اس آیت کے لیے یہ سیاق موزوں ہوا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بے شمار شہادتیں اور یہ حقیقت ہے کہ کسی بھی غزوے اور معرکے میں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے قدمِ مبارک کو لغزش نہیں ہوئی، بلکہ سخت سے سخت حالات میں بھی آپؐ کا استقلال سبق آموز رہا۔ حد یہ ہے کہ آپؐ کی استقامت کے طفیل میں وہ بھی جم گئے، جن کے پیر اُکھڑ چکے تھے۔ یہ شہادتیں اور یہ حقیقت اس آیت کی عملی تصدیق ہے۔

(تلخیص از ''عہدِ زریں''، ص:31-230)

درسِ حدیث

تشریح: چوہدری افضل حق مرحوم

تکمیلِ دین اور ختمِ نبوت

عن ثوبان رضی اللّٰہ عنہ، قال: قال النّبیّ صلّی اللّٰہ علیہ و سلّم: ''و إنّہ سیکون فی اُمّتی کذّابون کلّھم یزعمُ أنّہ نبیّ، و أنا خاتم النّبیّین لانبیّ بعدی.'' (رواہ أبوداؤد و التّرمذی)

(بلاشبہ عنقریب میری اُمت میں جھوٹے لوگ پیدا ہوں گے، ان میں سے ہر ایک شخص کہے گا کہ وہ نبی ہے، حال آں کہ میں ہی آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔)

مشیتِ ایزدی نے دنیا کے کامل انسان پر دینِ حق کی تکمیل کر دی۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمارت کے آخری معمار قرار پائے۔ (قرآن حکیم میں ہے:) ''آج میں نے تمھارے لیے دین مکمل کر دیا اور تم پر نعمت پوری کر دی۔'' (3:5) کہ جاں فزا پیغام کا معنی آں حضرتؐ نے خود ہی ''لانبیّ بعدی'' (میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا) کے ارشاد سے واضح کر دیا۔ حضرت محمدؐ رحمۃ للعالمین اسی لیے قرار دیے گئے کہ ان کے بعد نئی نئی تعلیمات اور نئے نئے رسولوں پر بنی نوعِ انسان تقسیم در تقسیم ہونے سے بچ جائے۔ آں حضرتؐ کے تشریف لانے کے ساتھ ہی دنیا کی تمام ترقیوں کے راستے کھل گئے۔ یہ آپؐ ہی کے وجود کا اعجاز ہے کہ آپؐ کے ظہور کے ساتھ ملکوں اور قوموں میں باہم میل جول اور ربط وضبط کے مواقع پیدا ہو گئے۔ زمانہ بہ تدریج ترقی کرتا کرتا یہاں تک پہنچ گیا کہ لاکھوں میلوں کی مسافت دنوں میں طے ہونے لگی اور برسوں کے سفر گھنٹوں میں طے ہونے لگے۔ اسلام کا یہ دعویٰ کہ میں تمام زمانوں اور قوموں کے لیے ایک ہی مشترکہ پیغام لایا ہوں، حالات اور واقعات سے سچ ثابت ہونے لگا۔ اسلام سے قبل دنیا کے حالات ایسے تھے کہ مشترکہ تربیت ناممکن تھی۔ چناں چہ زمانے کے حالات کے مطابق نبی الگ الگ قوموں اور ملکوں کے لیے مبعوث ہوتے رہے۔ کیوں کہ اپنے ملک کے باہر دعوت واشاعت میں ناقابلِ عبور مشکلات تھیں۔ تا آں کہ رحمتِ حق جوش میں آئی۔ حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا۔ اس شمع کے نور سے دنیا میں روشنی پھیلی۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے معنی یہ تھے کہ اب انسانیت سنِ شعور کو پہنچ چکی ہے۔ اب کسی سکول ماسٹر کی ضرورت نہیں۔ جو لوگ دنیا کے حالات کا مطالعہ کر سکتے ہیں، وہ سچی اور جھوٹی بات میں فرق کر کے صحیح راہ تلاش کر سکتے ہیں۔ اب مکمل سچائی، یعنی اسلام ہم تک پہنچ گیا۔ اب کسی نبی کی ضرورت نہ رہی۔ اگر ہم نبوت کا سلسلہ ابھی تک جاری مان لیں تو پھر مختلف نبیوں پر ایمان کے باعث قوموں، ملکوں اور انسانیت میں تقسیم در تقسیم کا عمل جاری رہے گا۔ پہلے تو ملک ملک ایک الگ دنیا تھی۔ الگ الگ نبیوں کی ضرورت تھی۔ اب جب دنیا سمٹ کر ایک کنبے میں رہتی ہے تو نبوت کے مختلف دعوے داروں کا آنا دنیا کو بلاضرورت تقسیم کرنے سے کم نہ تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ''لا نبیّ بعدی'' کا ارشاد دنیا کے لیے رحمت کا پیغام اور انسانیت کے لیے خوش خبری تھی۔

www.rahimia.org

اداریہ

سرمایہ دارانہ نظاموں کا فریب اور علاقائی اتحاد کی ضرورت

2015ء کا سال ہر سال کی طرح اپنی صبح و شام کے ساتھ تمام ہوا اور 2016ء کے سال کا آغاز ہو چکا ہے۔ اس سود وزیاں کی دنیا میں انسان ہمیشہ گزرتے لمحوں کا حساب اور آنے والے وقت کی بہتری کے لیے اقدامات کرتا آیا ہے، لیکن یہ حساب وکتاب انفرادی سے زیادہ اجتماعی ہونا چاہیے۔ کیوں کہ ہم سب ایک اجتماعیت کا حصہ ہیں اور یہ اجتماعیت ایک گھر سے شروع ہو کر خاندان، قبیلے، معاشرے اور قوم سے ہوتے ہوئے ایک بین الاقوامی اجتماع سے جاملتی ہے، جسے ہم قوموں کا انٹرنیشنل اجتماع کہتے ہیں۔ 2015ء میں جو انٹرنیشنل ایشوز دنیا کی توجہ کا مرکز رہے، وہ ایک تسلسل کے ساتھ 2016ء میں داخل ہوتے ہوئے بھی دنیا کی خصوصی توجہ حاصل کیے ہوئے ہیں اور ان پر انسانیت کے اجتماعی مفاد کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے غور وفکر وقت کا لازمی تقاضا ٹھہرتا ہے۔

ان میں سے ایک سرمایہ دارانہ نظام کے حامل ملکوں کی منافقانہ اور دوہرے معیار کی وہ پالیسیاں ہیں، جن کے تحت وہ خود اپنے استحصالی کردار کے زیرِ اثر پہلے تو دنیا کے لیے تباہی کے منصوبے بناتے اور مسائل پیدا کرتے ہیں اور پھر اس کے نام پر بین الاقوامی کانفرنسیں بلا کر پوری دنیا کو اپنے ساتھ کھڑا کر کے ان کے حل ڈھونڈنے کی تجارت کرتے ہیں۔ اور تیسری دنیا کے خوف زدہ حکمران اپنی دُمیں ہلا کر ان کی طرف سے پیش کردہ قراردادوں کی تائید اور توثیق کرتے ہیں۔ لیکن کسی ملک کے حکمران میں یہ جرأت نہیں ہوتی کہ ان کے سامنے ان کی آمرانہ اور دوغلی پالیسیوں پر تنقید کر سکے کہ آج دنیا میں بیش تر مسائل کی وجہ سرمایہ دارانہ طرزِ معیشت اور حکمرانی ہے۔

کچھ ایسے ہی تناظر میں 30/نومبر 2015ء کو پیرس میں اقوامِ متحدہ کے زیرِ اہتمام 21ویں عالمی ماحولیاتی کانفرنس ہوئی، جس کا ایجنڈا دنیا میں نامیاتی ایندھن، یعنی تیل، گیس اور کوئلے کے استعمال کے نتیجے میں پیدا ہونے والی گیسوں کے اخراج پر قابو پانا تھا۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس کے لیے ترقی یافتہ ممالک مخلص ہیں؟ اور کیا دنیا کے تمام سرمایہ دار ملک گزشتہ 200 سالوں سے ایندھن کے انھیں ذرائع کو استعمال نہیں کرتے رہے، جن سے فضا میں آلودگی کی دبیز تہیں جم چکی ہیں؟ دراصل یہ آلودگی سرمایہ دارانہ نظام کی ہوسِ منافع کی پیداوار ہے۔ آج جدید سائنسی عہد میں آلودگی سے پاک توانائی کی ٹیکنالوجی اور ذرائع بھی موجود ہیں، جنھیں استعمال میں لایا جاسکتا ہے۔ لیکن کیا تیل، گیس اور کوئلے سے وابستہ دیوہیکل ملٹی نیشنل کمپنیاں اپنے منافع اور کاروبار سے دست بردار ہونے کے لیے تیار ہیں؟

کیا سرمایہ دارانہ نظام کے حامل ممالک شمسی توانائی، پن بجلی جیسے آلودگی سے پاک توانائی کے قابلِ تجدید ذرائع پر منتقل ہونے کے خواہش مند چھوٹے اور غریب ممالک کو جدید ٹیکنالوجی اور دیگر ذرائع مفت اور آسان طریقے سے فراہم کریں گے؟ سرمایہ دارانہ نظام کی تاریخ تو یہ بتاتی ہے کہ اس کے ہاں ہمیشہ انسانیت پر سرمایہ مقدم رہا ہے۔ اور یہ کانفرنسیں نشستند، گفتند و برخاستند (بیٹھے، کہا سنا اور اٹھ گئے) سے زیادہ کچھ اہمیت نہیں رکھتیں۔

اُدھر مراکش میں بھی اقوامِ متحدہ کے زیرِ اہتمام لیبیا میں امن کی بحالی کی کوشش میں ہونے والے اجلاس میں لیبیا کے حریف قانون سازوں نے ملک میں چار سالوں سے جاری تنازعے کے خاتمے اور متحدہ حکومت کی تشکیل کے لیے ایک معاہدے پر دستخط کر دیے ہیں۔ اس موقع پر اقوامِ متحدہ کے نمائندہ مارٹن کوبلر نے اس معاہدے کو تاریخی قرار دیتے ہوئے کہا کہ: ''لیبیا میں ہم نے مفاہمت اور استحکام کے لیے ایک قدم آگے بڑھا لیا ہے۔'' لیکن دنیا کی نام نہاد مہذب اقوام اور اقوامِ متحدہ سے یہ سوال کیوں نہ کیا جائے کہ لیبیا کی وحدت اور قومی یک جہتی کو کس نے سبوتاژ کیا تھا؟ اور نیٹو سمیت پورے مغرب کی حمایت کس کو حاصل تھی؟ قومی حکومت یا باغیوں کو؟ اور یاد رہے کہ آج بھی لیبیا کے بڑے حصے پر قابض مسلح گروہ ان مذاکرات کا حصہ نہیں ہیں۔ اور ملک کے مختلف حصوں پر مسلح لوگ قابض ہیں اور سہمی ہوئی عام شہری آبادی' قذافی دور کے دیے ہوئے امن کی متلاشی ہے۔ سامراجی طریقۂ واردات یہی ہے کہ پہلے بدامنی اور انتشار پیدا کیا جائے اور پھر اس میں سے امن کو تلاش کرنے کی سعی لاحاصل کی جائے۔

ایسے ہی سرمایہ داری کے مہروں کی ایک اَور گہری چال کے سبب دہشت گردی سے نمٹنے کے لیے 34 (اسلامی) ممالک نے سعودی عرب کی قیادت میں ایک فوجی اتحاد تشکیل دینے کا اعلان کیا ہے، جس میں مصر، قطر اور عرب امارات جیسے کئی عرب ممالک کے ساتھ ساتھ ترکی، ملائیشیا، پاکستان اور افریقی ممالک بھی شامل ہیں۔ بقول سعودی عرب کے وزیرِ دفاع شہزادہ محمد بن سلمان: ''اس مہم کے ذریعے عراق، شام، لیبیا، مصر اور افغانستان جیسے ممالک میں شدت پسندی سے نمٹنے کے لیے کی جانے والی کوششوں کو مربوط کیا جائے گا۔'' سونے پہ سہاگہ یہ ہے کہ اس اتحاد کو امریکی حمایت' بلکہ درپردہ سرپرستی بھی حاصل ہے۔ امریکی وزیرِ دفاع ایشٹن کارٹر کا کہنا ہے کہ: ''یہ اتحاد امریکی حکمتِ عملی کے عین مطابق ہے، جس کے تحت شدت پسند تنظیم داعش کے مقابلے کے لیے مسلمانوں کے کردار کو وسعت دینا ہے۔'' لیکن باشعور حلقے بہ خوبی جانتے ہیں کہ اس سے قبل امریکا نے روس کے خلاف بھی مسلمانوں کے کردار کو ''وسعت دی تھی''، جس کے نتائج دنیا آج تک بھگت رہی ہے۔ اور یہ کس سے پوشیدہ ہے کہ جس ''داعش'' کے خلاف بین الاقوامی، قومی اور بین المسلکی اتحاد تشکیل دیے جا رہے ہیں، اس عفریت کی خالق اور معاون کون سی قوتیں ہیں؟

دوسری طرف اس سال ہوا کے دو تازہ جھونکے بھی آئے، ایک روس کے صدر پیوٹن نے شنگھائی تعاون تنظیم کی سالانہ سربراہی کانفرنس کے موقع پر ہندوستان اور پاکستان کی رُکنیت منظور کیے جانے کا اعلان کیا۔ ایک رپورٹ کے مطابق شنگھائی تعاون تنظیم نے امید ظاہر کی کہ ایران بھی جلد اس تنظیم کا رُکن بن جائے گا۔ اور دوسرا پانچویں ہارٹ آف ایشیا کانفرنس میں پاکستان اور ہندوستان کا قریب آنا اور افغان معاملے پر پیش رفت کا ہونا ہے۔

آج دنیا بھر میں جس طرح عالمی سامراجی نظام اپنی بساط پھیلائے بیٹھا ہے، اس کی سازشوں کا مقابلہ مؤثر علاقائی اتحاد ہی کے ذریعے ممکن ہے۔ بالآخر آج دنیا جس علاقائی وحدت اور اتحاد کی طرف متوجہ ہوئی ہے، ولی اللّٰہی مفکرین بہت پہلے اس طرف توجہ دلا چکے ہیں کہ مغربی سرمایہ دارانہ نظام کے آگے ایشیائی ممالک مل کر اپنی متحدہ قوت سے ہی بند باندھ سکتے ہیں۔

مدیر

www.rahimia.org

نظامِ ارتفاقات اور انقلابی جدوجہد کی اہمیت

مترجم: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

{حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ برعظیم پاک و ہند کی عظیم ترین شخصیت ہیں۔ انھوں نے اٹھارہویں صدی عیسوی میں انقلابی افکار اور تعلیمات انسانیت کے سامنے پیش کیے ہیں۔ انھوں نے اپنی کتابوں میں بلند پایہ افکارِ عالیہ قلم بند کیے۔ یوں دوسرے ہجری ہزارے میں دین حق کی سچی تعلیمات پر مبنی اللہ کی حجت و برہان کو بڑے واضح دلائل کے ساتھ بیان فرمایا۔ حضرت الامام دہلویؒ کے بیان فرمودہ افکارِ عالیہ آج بھی اپنے اندر تازگی رکھتے ہیں۔ یہ افکارِ عالیہ سیاسی، سماجی اور معاشی تشکیل کے لیے بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ نیز شریعت وطریقت کی رہنمائی پر مبنی جامع تعلیمات کے حامل ہیں۔

نئے سال کے آغاز پر ماہ نامہ رحیمیہ میں حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے افکارِ عالیہ کے حوالے سے یہ سلسلہ شروع کیا جارہا ہے۔ اس میں ہماری کوشش ہوگی کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی اصل کتابوں کی عربی فارسی عبارتوں کا سلیس اردو ترجمہ قارئین کے لیے پیش کریں اور پورے حوالہ جات کے ساتھ انھیں قلم بند کیا جائے۔ امید ہے کہ قارئین اس سلسلے کو پسند فرمائیں گے۔ مترجم}

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی شاہ کار کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' ہے۔ اس کا تیسرا مبحث ''ارتفاقات'' کے عنوان سے ہے۔ اس مبحث میں انسانوں کی سیاسی، معاشی اور معاشرتی زندگی کی سہولتوں کے بنیادی اُمور واضح کیے ہیں۔ اس مبحث کے آخر میں انسانی معاشروں میں انقلابی جدوجہد کی اہمیت بیان کرتے ہوئے شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''جاننا چاہیے کہ (انسانی زندگی کی سہولتوں پر مبنی) ارتفاقات میں رسومات' یعنی طور طریقوں کے نظام کی وہی حیثیت ہے، جو انسان کے جسم میں دل کی حیثیت ہے۔ (اسی لیے) تمام ملتوں کی شریعتوں (دساتیر) میں براہِ راست یہی طور طریقے اور نظام ارتفاقات پہلی حیثیت رکھتے ہوئے بنیادی طور پر مقصود ہوتے ہیں۔ الٰہی نوشتوں میں بھی انھیں امور سے بحث کی جاتی ہے اور انھی کی طرف اشارات کیے جاتے ہیں۔

ارتفاقات کی انجام دہی کے لیے عملی نظام کے وجود میں آنے کے دو طریقے ہوتے ہیں: ایک عقل منداور حکما کا وضع کردہ نظام اور دوسرے انبیا علیہم السلام کی تعلیمات پر مبنی نظام۔ اسی طرح انسانیت میں اس سسٹم کے پھیلاؤ کے بھی دو اسباب ہوتے ہیں: کسی طاقت ور حکمران کی وجہ سے سسٹم نافذ ہوتا ہے یا عوامی قلوب کی پسندیدگی کی وجہ سے سسٹم کو قبول کیا جاتا ہے۔ اسی طرح لوگوں کی جانب سے اس نظام کو مضبوطی سے تھام لینے کے بھی کئی اسباب ہوتے ہیں۔

(دنیا بھر میں) جاری ہونے والے نظام اگرچہ اپنی اصل شکل میں صحیح اور حق ہوتے ہیں، اس لیے کہ ان کے ذریعے انسانوں کے لیے صالح ارتفاقات کی حفاظت کی جاتی ہے۔ اور اس لیے بھی کہ قانون کے پابند معاشروں میں افرادِ انسانی کو اپنے نظری اور عملی کمالات کو ترقی دینے کا راستہ ملتا ہے۔ اگر کسی قوم میں ان عمدہ طور طریقوں پر مشتمل نظام نہ ہو تو انسانوں کی اکثریت جانوروں کی سی حالت میں زندگی بسر کرتی ہے۔...

لیکن ہوتا یہ ہے کہ بعض اوقات دنیا میں جاری صحیح قوانین اور نظام میں غلط اُمور کی ملاوٹ ہوجاتی ہے۔ اس طرح لوگوں کے لیے اپنی ترقی کے اصل اور صحیح طریقوں اور غلط طور طریقوں میں امتیاز کرنا مشکل ہوجاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ کسی قوم پر ایسا حکمران طبقہ مسلط ہوجاتا ہے، جو اجتماعی مفاد کی بجائے جزوی اور انفرادی مفاد کا حامل ہوتا ہے۔ یہ طبقہ درجِ ذیل غلط کام کرنے لگتا ہے:

1. (حیوانی سطح پر اُتر کر) درندوں والے کام: مثلاً رہزنی کرنا اور دوسروں کے مال کو ہڑپ کرجانا۔
2. بے جا خواہشات کو پورا کرنے کے طریقے اختیار کرنا۔
3. نقصان دہ پیشے اختیار کرنا، جیسے سودخوری اور ناپ تول میں کمی کرنا۔
4. رہن سہن، لباس کی تراش اور دعوتوں میں ایسے طور طریقے اور عادات اختیار کرنا، جو فضول خرچی پر مبنی ہوں، جن کے اخراجات پورے کرنے کے لیے اپنے پیشوں میں بہت زیادہ بھاگ دوڑ کرنی پڑتی ہے۔
5. ایسے فضول اور لغو کام کرنا، جن کی وجہ سے دنیاوی ترقی اور اُخروی کامیابی کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔
6. مسافروں پر ظالمانہ ٹیکس لگانا اور عوام کا استحصال کرنے والے مالی واجبات کا عائد کرنا۔
7. آپس کی حرص ولالچ اور بغض وعداوت کے کام کرنا۔

مفاد پرست حکمران طبقہ مذکورہ بالا معاملات عام انسانوں کے ساتھ کرتے ہوئے تو انھیں اچھا سمجھتا ہے، لیکن اگر کوئی عام آدمی ان کے ساتھ ایسا معاملہ کرے تو وہ اس کو بُرا سمجھتا ہے۔ حکمران طبقے کے جاہ ومرتبے اور جبر کی وجہ سے لوگ ان کے ان غلط کاموں پر اعتراض نہیں کرسکتے، بلکہ قوم کے عام قانون شکن لوگ بھی ایسے غلط حکمرانوں کی اتباع کرتے ہیں۔ غلط کاموں میں ان کی مدد کرتے ہیں، بلکہ ان غلط طور طریقوں کو پھیلانے میں کوشش کرتے ہیں۔ (آگے چل کر) اُس قوم کی ایسی حالت ہوجاتی ہے کہ ان کے دلوں میں نہ تو سوسائٹی کو ترقی دینے والے کاموں کی کوئی اہمیت ہوتی ہے اور نہ ہی ان کے بُرے کاموں سے کوئی نفرت ہوتی ہے۔ بس وہ اپنے حکمرانوں کے طور طریقوں کو ہی اصل سمجھ کر انھیں پر عمل پیرا رہتے ہیں۔ نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ عام انسانوں کے سامنے صحیح کام کرنے کے تمام راستے بند ہوجاتے ہیں۔ ایسی صورت میں صحیح فطرت کے لوگ قوم کے بچھڑے ہوئے افراد بن جاتے ہیں۔ وہ ان مفاد پرست حکمرانوں اور ان کے متعلقین سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ اور غصے کی حالت میں خاموش تماشائی بن کر رہ جاتے ہیں۔ اس طرح ایک غلط نظام وجود میں آجاتا ہے اور مضبوط ہوتا چلا جاتا ہے۔

(کسی قوم کی جب ایسی حالت ہوجائے تو) اجتماعی مفاد کی سوچ رکھنے والے لوگوں پر لازم ہوجاتا ہے کہ وہ سچی اور حق بات کی اشاعت اور اس کے پھیلاؤ کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔ اور باطل نظام کو ختم کرنے اور اس کا راستہ روکنے کے لیے کردار ادا کریں۔ بعض اوقات یہ کام مفاد پرست حکمرانوں سے مزاحمت اور لڑائی کے بغیر ممکن نہیں ہوتا۔ ایسے موقع پر اس طرح کی (انقلابی) جدوجہد پر مبنی کام کرنا، نیکی کے تمام کاموں میں سے سب سے زیادہ افضل عمل ہوتا ہے۔

حجۃ اللہ البالغہ۔ مبحث الارتفاقات، باب الرسوم السائرۃ فی الناس
ص:86-185،طبع: دار ابن کثیر، بیروت

عالمی منظرنامہ

مرزا محمد رمضان، راولپنڈی

نئے عالمی منظرنامے پر ایک نظر

انسانی تاریخ، اقوام کے اعمال اور اس کے نتائج سے مزین ہے، مستقبل کی تشکیل، ماضی کی تلخیوں سے نجات اور حال کی جدید سائنسی ایجادات وترقیات سے مستفید ہونے کی حکمتِ عملی کا نام ہے۔ کرۂ ارض پر کھنچنے والی لکیریں اس کی خوب صورتی کا تعین کرتی ہیں۔ خوب صورتی کوئی مستقل چیز نہیں، بلکہ یہ معروضیت میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کو فطرتی تقاضوں کی تکمیل کے تحت اپنے اندر سموتے رہنے کا نام ہے۔ بعض اوقات انسانی ہاتھوں سے کئی ایسی لکیریں کھنچ جاتی ہیں، جو مطلوب نہیں ہوتیں۔ کیوں کہ وہ کینوس پر تصویر کو بھدا کرنے کا سبب بنتی ہیں۔ لہٰذا انھیں مٹا کر اس کے زاویوں کو تبدیل کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔ لکیریں کھینچنا اور انھیں مٹانا، تخریب وتعمیر کے زمرے میں شمار ہوتا ہے، جو انسانی تاریخ کا حصہ ہے۔

مشرقِ وسطیٰ جغرافیائی تشکیل میں چوپال کی حیثیت رکھتا ہے۔ عالمی برادری میں عزت وتوقیر ایسی قوموں کے حصے میں آتی ہے، جو چوپال میں بیٹھ کر فیصلے عدل وانصاف کی بنیاد پر کرتی ہیں۔ جو قومیں فیصلے کرتے وقت جانب داری کا میلان ظاہر کریں، محض اس بنیاد پر کہ آج ہم طاقت میں ہیں، دنیا میں کوئی ہمارے فیصلوں کو چیلنج کرنے والا نہیں ہے، ہم نے بڑی عقل ودانش کی بنیاد پر آہستہ آہستہ ایسے اقدامات کیے ہیں، جن کا نتیجہ ہے کہ ہمارے تمام دشمن نیست ونابود ہوچکے ہیں۔ لیکن وہ اس پہلو کو درخورِ اعتنا ہی نہیں سمجھتے کہ یہ کرۂ ارض خود بہ خود وجود میں نہیں آیا اور نہ ہی انھوں نے بنوایا ہے۔ مزید یہ کہ ایسا بھی نہیں ہے کہ یہ حیثیت پہلی بار دنیا میں کسی کے حصے میں آئی ہو۔

2011ء میں شروع ہونے والے شامی بحران کے خاتمے کے لیے 30/ اکتوبر 2015ء کو یورپ کے ملک آسٹریا کے دارالحکومت ویانا کے امپیریل ہوٹل میں 19 ملکوں کے نمائندوں نے 8 گھنٹے تک لگاتار مذاکرات کیے۔ ان مذاکرات سے فوری طور پر تو کوئی نتیجہ نہ نکلا، البتہ وفد نے قضیے کو جلد نمٹانے کے عزم کے تحت آئندہ 2 ہفتے میں دوبارہ ملاقات کرنے کا فیصلہ کیا۔ 31/ اکتوبر 2015ء کو روس کی کوگل ماریا نامی فضائی کمپنی کا طیارہ اپنی پرواز کے صرف بیس منٹ بعد تباہ ہوگیا۔ اس کی تباہی کی ذمہ داری داعش نے قبول کرلی۔ روس کے حساس اداروں نے اسی لمحے تحقیقات شروع کردیں۔ انھیں کئی ٹھوس ثبوت اور شہادتیں فراہم ہوگئیں۔ اس واقعے کے چند دنوں بعد، یعنی 6/ نومبر 2015ء بروز جمعہ کو فرانس کے شہر پیرس میں 7 مختلف مقامات پر لگاتار حملے ہوئے۔ پیرس پر حملوں کے واقعے نے روس ـــ جس کے خلاف نیٹو بنی تھی ـــ کو فرانس کے قریب کردیا۔ اس دوران روسی صدر نے اپنی فوج کے سربراہ سے ملاقات کی اور ہدایات دیں کہ فرانسیسی حکومت کے رابطہ کرنے کی صورت میں ان کے ساتھ تعاون کیا جائے۔ اس کے بعد دونوں ملکوں نے باہمی تعاون سے 12/ نومبر 2015ء کو روس کے SU-34 نوعیت کے 16 طیاروں کے ساتھ داعش کے ٹریننگ کیمپ واقع مادان جدید جورقۃ شہر سے 70 کلومیٹر کی مسافت پر واقع ہے، حملہ کرکے تباہ کردیا۔ جس کے نتیجے میں باقی عملے کے علاوہ داعش کے 12 بڑے کمانڈر ہلاک ہوگئے۔ داعش نے اپنے وجود میں آنے کے بعد بے شمار قتل وغارت کرکے خوف وہراس پیدا کیا۔ ہزاروں انسانوں کا بے گناہ خون بہایا، لیکن کسی اسلامی یا غیر اسلامی ملک یا تنظیم کو اتنی جرأت نہیں ہوئی کی وہ اس دہشت گرد تنظیم کے ہاتھ کاٹ سکے۔

اس کے ساتھ ہی روسی صدر ولادی میر پیوٹن نے ایک پریس کانفرنس کے ذریعے امریکا کے صحافیوں کو آگاہ کیا کہ اس کے پاس 9/11 کے حوالے سے ایسی ویڈیوز موجود ہیں، جو انھوں نے اپنے سیٹلائٹ سسٹم کے ذریعے حاصل کی تھیں۔ جن کے منظر عام پر آنے سے ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے بارے میں ایسے حقائق سے پردہ اُٹھ سکتا ہے، جس سے عالمی منظرنامہ تبدیل ہوجائے گا۔ اس کے بعد امریکا کے صحافیوں نے ایسے تبصرے کیے کہ اگر ایسا ہوگیا تو عوام کا ریاستی اداروں پر سے اعتماد اٹھ جائے گا۔ اقوامِ عالم میں امریکی ساکھ تباہ ہوسکتی ہے۔ اقوامِ متحدہ کی 70 ویں سالگرہ کے موقع پر پیوٹن کے خطاب نے پہلے ہی عالمی سربراہان کے سامنے ایسی سیاسی صورت حال پیش کی تھی، جس سے عالمی منظرنامہ تبدیل ہونا شروع ہوگیا تھا۔

G-20 کانفرنس کے موقع پر روسی صدر نے اپنے مؤقف کو مزید تقویت دیتے ہوئے کہا کہ ہماری معلومات کے مطابق دنیا کے 40 ممالک اور عالمی تنظیمیں ایسی ہیں، جو داعش کو فنڈز فراہم کررہے ہیں، جن میں اس کانفرنس میں بیٹھے ہوئے ممالک بھی شامل ہیں۔ جب کہ یہ دہشت گرد تنظیم جس نے عراق وشام کے تیل کے کنوؤں پر غنڈاگردی کی بنیاد پر قبضہ کرکے ایک مہینے میں کم وبیش پانچ کروڑ امریکی ڈالر کی مالیت کا تیل عالمی منڈی میں فروخت کررہی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ تیل کیسے اور کس طرح خریدا جارہا ہے اور اس کی ادائیگی کن ذرائع سے کی جاتی ہے؟ روسی صدر نے مزید کہا کہ آج دنیا میں طالبان، القاعدہ، داعش اور بوکوحرام جیسی تنظیمیں کیسے وجود میں آرہی ہیں؟ اس انکشاف پر ممالک کے نمائندوں کو سانپ سونگھ گیا، حتیٰ کہ پاکستانی میڈیا نے بھی اس خبر کی ہوا نہیں لگنے دی۔

ایک طویل عرصے کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ کسی عالمی فورم پر ایک مؤثر آواز اٹھی اور اس نے سناٹا پیدا کردیا۔ وہ تمام ممالک جو اس فورم کے رکن تھے، آج اپنے سابقہ کردار کی وجہ سے بونے محسوس ہورہے تھے۔ ان ملکوں کے سامنے ایک کے بعد ایک ملک تباہ ہوتا رہا۔ یہ محض تماشائی بن کر اس اکھاڑے میں گرنے والوں کا نظارہ کرتے رہے۔ آج دنیائے سیاست پر شطرنج کی بازی پلٹتی ہوئی محسوس ہورہی تھی۔ اس کھلاڑی نے تمام مہروں کے رُخ ہی بدل ڈالے۔ گزشتہ تمام چالیں پٹتی ہوئی دکھائی دینے لگیں۔ وہ تمام لکیریں جو تصویر کو بھدا کررہی تھیں، وہ مٹتی ہوئی دکھائی دینے لگیں۔ ایسی لکیریں جن سے کینوس کی خوب صورتی کا تعلق تھا، وہ آگے بڑھتی ہوئی محسوس ہونے لگ رہی ہیں۔

www.rahimia.org

قومی معیشت

پاکستان کے معاشی مسائل

محمد کاشف شریف، راولپنڈی

معاشی سرگرمیوں کے نتیجے میں حکومت کی آمدنی' ٹیکس کی صورت میں اکٹھی ہوتی رہتی ہے۔ اس آمدنی کی مدد سے حکومت معاشرتی و کاروباری مدات پر خرچ کرتی ہے۔ جیسے تعلیم و صحت کی سہولتیں، ترقیاتی کام، امن و امان، دفاع، انتظامیہ و بیوروکریسی وغیرہ۔ آمدن اور اخراجات میں توازن رکھنا دراصل حکومتی معاشی پالیسی کا بنیادی حصہ ہوتا ہے۔ اگر اس توازن کو برقرار نہ رکھا جاسکے تو مالیاتی خسارہ اور اس سے متعلق تباہ کاریاں بروئے کار آتی ہیں۔ ان میں افراطِ زر، عوام پر ٹیکسوں کا بوجھ، ہنرمندوں اور تعلیم یافتہ رجالِ کار میں کمی، ترقیاتی کاموں میں سُست روی اور غربت کی وجہ سے امن عامہ سے متعلق مسائل وغیرہ آتے ہیں۔ معاشی مسائل یقیناً سیاسی مسائل کو جنم دیتے ہیں اور جن اقوام میں دُوراندیش سیاسی رہنما نہ ہوں، ان قوموں کو مستقبل میں بربادی اور غلامی سے کوئی نہیں بچاسکتا۔

جدید دنیا میں ان مسائل سے نبردآزما ہونے کے لیے کئی نظریے وجود میں آئے۔ چوں کہ آج دنیا میں سرمایہ دارانہ نظام بروئے کار ہے، اس لیے اس مسئلے کا حل بھی اسی تناظر میں ڈھونڈا جاتا ہے۔ اس مقصد کے لیے کسی بھی ملک کی کل قومی پیداوار بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ پیداوار زیادہ ہوگی تو آمدن بھی زیادہ ہوگی اور نتیجتاً انفرادی و حکومتی اخراجات بھی زیادہ ہوسکیں گے۔ تاریخ گواہ ہے کہ سنجیدہ قومیں قومی پیداوار کے اعداد و شمار اکٹھے کرنے کے لیے تمام صلاحتیں اور وسائل بروئے کار لاتی ہیں، تاکہ پیداوار میں بڑھوتری اور اس کے مؤثر انتظام سے متعلق حکمتِ عملی وضع کی جاسکے۔ چناں چہ قومی سطح پر کیے جانے والے کل اخراجات اور کمائی جانے والی دولت دراصل کل قومی پیداوار کے تخمینے کے لیے اپنائے جانے والے طریقے ہیں، جو آج دنیا میں عمومی طور پر رائج ہیں۔

ورلڈ بنک کے اعداد و شمار کے مطابق پاکستان میں سالانہ 270 ارب ڈالر کی پیداوار ہوتی ہے، جس میں زراعت کا 57 ارب ڈالر، صنعت کا 54 ارب ڈالر اور خدمات کے شعبوں کا 159 ارب ڈالر حصہ ہے۔ اصولاً اس عمل کو مناسب اور متوازن رکھنے کے لیے حکومتی اخراجات کی حکمتِ عملی و پالیسی (Fiscal Policy) بنائی جاتی ہے اور اخراجات کا تخمینہ آمدن سے کم ہو یا زیادہ، دونوں صورتوں میں اسے مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کے لیے گردشِ زر کو کنٹرول کرنے کی حکمتِ عملی و پالیسی (Monetary Policy) بنائی جاتی ہے۔ ثانی الذکر پالیسی وضع کرنا اسٹیٹ بنک کا کام ہوتا ہے۔ پاکستان کا سب سے بڑا معاشی مسئلہ آمدن اور اخراجات میں عدمِ توازن ہے۔ سیاسی اشرافیہ جو اس توازن کو قائم کرنے کی ذمہ دار ہے، اس کے اہداف انتہائی محدود مدتی ہوتے ہیں، جس میں مخصوص معاشی گروہوں کے گرد حکومتی اخراجات کا تانا بانا بُنا جاتا ہے اور معیشت کو طویل المدتی بنیادوں پر مشکلات کا شکار کردیا جاتا ہے۔

حالیہ بجٹ کے مطابق اخراجات میں سب سے بڑا حصہ اندرونی و بیرونی مالیاتی اداروں کو سود کی مد میں 1280 ارب روپے کی ادائیگی ہے، جو کُل بجٹ کا 37% ہے۔ گویا پوری قوم دن رات ایک کر کے جو کچھ ٹیکس کی صورت میں کماتی ہے، اس کا ایک تہائی سے زائد بینکوں کو سود کی صورت میں ادا کردیا جاتا ہے۔ اور یہ سود اگلے سال دوبارہ اصل زر کے طور پر قوم کو بطورِ قرض دے دیا جاتا ہے۔ ہوتا یوں ہے کہ آمدن کے اہداف' وصولی کے اداروں FBR وغیرہ کی نااہلی، حکمران اشرافیہ کی سیاسی و معاشی مصلحت پسندی، جس میں گرانٹ اور سبسڈی شامل ہے، سُست و تھکا ہوا عدالتی نظام اور ڈھانچہ اور خسارے میں چلنے والے قومی ادارے کی نظر ہوجاتے ہیں اور دوسری طرف سالانہ اخراجات کے اہداف ناگہانی آفات، جنگوں اور حکمران طبقے کی لوٹ مار کی وجہ سے بڑھ جاتے ہیں۔ نتیجتاً بجٹ کا خسارہ وجود میں آتا ہے، جسے اندرونی و بیرونی مالیاتی اداروں سے قرض لے کر، کرنسی نوٹ چھاپ کر اور قومی اثاثوں اور اداروں کو بیچ کر پورا کیا جاتا ہے۔ ایسی صورتِ حال میں جب آمدن ہر گزرتے دن کے ساتھ محدود ہوتی جائے اور اخراجات بڑھتے چلے جائیں تو تعلیم، صحت اور ترقیاتی کاموں پر طے شدہ اہداف کے مطابق خرچ نہیں کیا جاتا اور یوں اس حوالے سے معاملات اگلے سال پر ڈال دیے جاتے ہیں۔

مندرجہ بالا مسائل کی وجہ سے ملکی معیشت پر قرضوں کا بوجھ پڑتا ہے اور اخراجات کی بنیاد پر معیشت میں بڑھوتری کا انداز جنم لیتا ہے۔ یاد رہے کہ سرمایہ دارانہ نظام میں اخراجات —— خواہ انھیں قرض لے کر ہی کیوں نہ کیا جائے —— میں اضافہ معاشی ترقی میں اضافے کی بنیاد قرار دیا جاتا ہے۔ یوں پاکستان جیسے ممالک میں ہمہ جہتی پیداوار حاصل کرنے کے حوالے سے حکمتِ عملی کے فقدان کی وجہ سے اخراجات میں سال ہا سال اضافہ کیا جاتا رہا ہے اور بدقسمتی سے یہ اضافہ محدود جہتی ہونے کی وجہ سے ملک کے بڑے حصے کو متأثر کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ یوں معاشرے میں ترقی کے جزائر جنم لیتے ہیں، جو طبقہ واریت کی خلیج کو مزید وسیع کردیتے ہیں۔ خسارے کو پورا کرنے کے لیے ٹیکسوں میں اضافہ اور کرنسی نوٹوں کی چھپائی دراصل افراطِ زر کی بنیادی وجہ بن جاتے ہیں اور ایسے چکر کو جنم دیتے ہیں، جس میں سے نکلنا ناممکن ہوجاتا ہے۔ اس مسئلے کا حل کُل قومی پیداوار میں سالانہ اضافے کی صورت میں وضع کیا گیا ہے۔ اس تناظر میں قرض اور امداد دینے والے مالیاتی ادرے اور ممالک' ملکی معیشت کی بڑھوتری کا ہدف طے کرتے ہیں۔ چناں چہ پاکستان کو IMF کی جانب سے سال 15-2014ء کی بڑھوتری کا ہدف 5.5% دیا گیا تھا، جس میں 4.02% کی کارکردگی دکھائی گئی، جو گزشتہ سال کی نسبت بہتر رہی۔ بین الاقومی سطح پر تیل کی گرتی ہوئی قیمتوں کا فائدہ اٹھاتے ہوئے حکومت نے تیل پر ٹیکس کا اضافہ کرکے بجٹ کے خسارے کو کم کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مقامی شرح سود میں تاریخی کمی نے بھی بجٹ پر سود کی ادئیگی کا دباؤ کم کیا ہے۔

یوں محدود وقتی اقدامات کی بدولت معاشی اعداد و شمار میں بہتری پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، لیکن اگلے سال کیا ہوگا اور اُس کے بعد کیا ہوگا؟ کیا تیل کی قیمتیں ہمیشہ کم رہیں گی؟ وہ تو عالمی سرمایہ دار کی مصلحت ہے، کسی وقت بھی بدل سکتی ہے۔ کرنسی نوٹوں کی چھپائی اور شرح سود میں کمی کے نتائج جب سامنے آنا شروع ہوں گے تو کیا ہوگا؟ بیرونِ ملک قرضے جب واپس کرنے ہوں گے تب کیا حکمتِ عملی اختیار کی جائے گی؟ ان سوالات کا جواب یقیناً ہماری حکومت کے پاس نہیں ہے۔

مجالس؛ افاداتِ علم و حکمت

ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور کے قیام سے ہی یہ روایت موجود رہی ہے کہ نمازِ جمعہ کے بعد حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ کے ساتھ احباب کی استفادہ نشست ہوتی ہے۔ جنوری 2015ء کے شمارے سے ان افادات کو شائع کر کے ہم مجلّہ رحیمیہ کے تمام قارئین کو اس استفادہ نشست میں شامل کر رہے ہیں۔ اس مجلس کی ریکارڈنگ اور جمع و ترتیب کے فرائض قاری عبدالرشید صاحب نے انجام دیے۔ قارئین سے گزارش ہے کہ اس سلسلے میں ادارہ کو اپنی رائے سے ضرور آگاہ کریں۔ (مدیر)

مجلس: 27/ مارچ 2015ء - مقام: ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ، لاہور

سوال لوگ کہہ رہے ہیں کہ اگر سعودی عرب کی حفاظت کرنی ہے تو پھر پاکستانی فوج کو وہاں جانا چاہیے۔ اور اگر یمن کے حوالے سے دیکھا جائے تو پھر ٹھیک نہیں ہے، لیکن سعودی عرب والے کہہ رہے ہیں کہ حملے کے لیے فوج بھیجیں۔

حضرت اقدس آپ بتائیں کہ کیا یمن نے سعودی عرب پر حملہ کیا؟ اور پھر یمن پر فضائی حملہ تو ان دس اتحادیوں نے مل کر کیا ہے، جو سارے کے سارے امریکا کے زیرِ اثر ہیں، جیسے اردن، کویت، بحرین اور مصر وغیرہ۔ پاکستان نے تو ابھی شمولیت کا فیصلہ کرنا ہے۔ اور ایک خبر یہ بھی ہے کہ امریکا کے ہوائی جہازوں نے بھی حوثی باغیوں پر حملے کیے ہیں۔ یعنی ڈائریکشن بھی اُن ہی کی اور رہنمائی بھی اُن کی۔ اس کا مطلب ہے کہ اب میدانِ جنگ یمن بنا ہے۔ جس طرح شام کو میدانِ جنگ بنایا گیا، اب ایسے ہی یمن کو بنایا گیا ہے۔ اس طرح سعودی عرب کے دونوں طرف آگ لگا دی گئی ہے۔

داعش والے بھی کہتے ہیں کہ ہم نے سعودی عرب پر قبضہ کرنا ہے۔ اور جب آپ حوثی باغیوں پر حملہ کریں گے تو وہ بھی کہیں گے کہ ہم نے بھی قبضہ کرنا ہے۔ اس کا تو صاف مطلب یہ ہے کہ دونوں طرف آگ لگا کر سعودی عرب کو انڈر پریشر لایا جائے گا۔ آگ لگنے کا مطلب ہے کہ عالمی سامراجی طاقتیں خطے کی نئی تقسیم چاہتی ہیں۔ امریکیوں نے تو سال دو سال پہلے کھل کر اعلان کر دیا تھا کہ اس وقت جو ملک دنیا کے نقشے پر ہیں، یہ جنگِ عظیم اوّل کے بعد 1919ء میں برطانیہ نے اپنے مفاد کے طور پر بنائے تھے۔ اور یہ صدی تو چوں کہ ہماری ہے، اس لیے ہم اپنے مقاصد اور مفاد کے مطابق دنیا کے ملکوں کی جغرافیائی سرحدیں بنائیں گے۔ امریکی صدر نے اسٹیٹ یونین میں خطاب میں کہا کہ: ''ملکوں کی ترقی کے حوالے سے ہم فیصلہ کریں گے کہ کس کو ترقی دینی ہے۔'' یعنی بالفاظِ دیگر اس میں یہ بھی شامل ہے کہ کس ملک کو تنزل دینا ہے۔

اب آپ دیکھیں کہ تیل کی قیمتیں گرنے کا سب سے بڑا نقصان سعودی عرب کو ہو رہا ہے۔ اُس کا بجٹ متاثر ہوا ہے۔ اب حال یہ ہے کہ وہ بجٹ کا اکثر حصہ حج اور عمرے کے پیسے سے پورا کرتا ہے۔ تیل کی آمدنی سے اُس کے بجٹ کا حصہ پورا نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں اس نے اپنے محفوظ (reserve) ذخائر میں سے بھی اربوں ریال اپنے اخراجات کے لیے مغربی ملکوں سے لیے ہیں۔ اس طرح یہ سعودی عرب کی معیشت تباہ و برباد کر دیں گے۔ پچھلے سال سب سے زیادہ اسلحہ سعودی عرب نے خریدا، جب کہ اُس وقت کوئی جنگ بھی نہیں تھی۔ اسلحہ خریدنے کا مقصد یہی تھا کہ سعودی عرب سے شام اور یمن کی جنگ لڑوانی ہے۔ اُس کے جتنے بھی وسائل ہیں، اُن کو جنگ کی آگ میں جلا کر بھسم کرنا ہے۔ اسلحہ بکے گا تو امریکا کی فیکٹریاں چلیں گی۔ امریکا کو تو جنگ سُوٹ کرتی ہے۔ چاہے اُن سے یمن اسلحہ لے یا سعودی عرب لے۔ اسلحہ تو امریکا ہی سے لینا ہے۔ اسلحہ ساز فیکٹریاں تو امریکا کی چلیں گی۔ کیوں کہ اسلحے کا سب سے بڑا سپلائر بھی وہی ہے۔ منصور ہادی، جو یمن کا صدر ہے، آپ بتائیں کہ جب حوثیوں کا پارلیمنٹ پر قبضہ ہوگیا ہے اور ہادی اب بھی باقی ہے۔ اُس کو کس نے تحفظ دیا؟ اور دارالحکومت پر قبضہ کرنے کے لیے اُن باغیوں کو اسلحہ کس نے دیا؟ کیا عالمی سامراجی قوتوں نے انھیں اسلحے کی فراہمی نہیں کی؟

سوال لوگ کہتے ہیں یمن کو اسلحہ ایران نے دیا ہے۔ آپ کی اس پر کیا رائے ہے؟

حضرت اقدس یمن کی تمام بحری اور برّی سرحدات پر عالمی سامراجی قوتوں کا تسلط ہے۔ اگر اُن کی موجودگی کے باوجود ایران کا اسلحہ یمن جا رہا ہے تو اس کا ذمہ دار سوائے عالمی سامراجی قوتوں کے اَور کون ہے؟ یا سیکیورٹی ناقص ہے یا ملی بھگت کے ساتھ ایران کے نام پر باغیوں کو اسلحہ خود سپلائی کیا جا رہا ہے۔ دراصل اس کا تعلق امریکا سے ہے، جو دنیا میں جنگیں کرا کر اپنے مقاصد حاصل کرتا ہے۔ جیسا کہ افغانستان میں وہ چھ مہینوں کے لیے آیا تھا، بارہ سال وہاں رہ کر گیا ہے۔ اسی طرح پانچ چھ سال کے لیے عراق آیا تھا اور ابھی تک وہاں ہے۔ یہ تو جنگ لڑنے والی قوتیں فیصلہ کرتی ہیں۔ اس دور میں جنگی حکمتِ عملی ہمیشہ سامراج کے مفادات کے لیے ہوتی ہے۔ کسی غلام قوم کے لیے آزادی اور حریت کا نتیجہ پیدا نہیں کرتی۔

سوال وہ جو کچھ اپنے مفادات کے لیے کر رہے ہیں، انھیں بُرا بھلا کہنے سے ہمیں کیا فائدہ ہوگا؟

حضرت اقدس: چور چوری کرتا چلا جائے تو کیا اُس کو بُرا بھلا نہیں کہنا چاہیے؟ کہ چوں کہ چور نے تو اپنے مفادات کے لیے کام کیا ہے، اس لیے ہمارے بُرا کہنے سے کیا فائدہ!۔ دیکھو! بات دراصل یہ ہے، جب چور کی چوری کی بات کی جاتی ہے تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ چور کے خلاف مزاحمتی شعور پیدا ہو۔ بات صرف ڈھول پیٹنے کے لیے نہیں ہوتی۔ اگر آپ سامراجی ملکوں کے خلاف صرف ڈھول پیٹیں اور مزاحمتی شعور پیدا نہ کریں تو پھر کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا۔ مقصد یہ ہونا چاہیے کہ اُس کے خلاف مزاحمتی ذہن پیدا کیا جائے اور اُس کے نظام کے خلاف حکمتِ عملی بنائی جائے تو یہ بہت ضروری ہے۔ حکمتِ عملی یہی ہے کہ چور کی چوری کو سمجھا جائے۔ چناں چہ سب سے پہلے کسی کام کرنے کی سوچ اور نظریہ پیدا کیا جائے۔ پھر اُس سوچ پر جماعت بندی کی جائے اور اس کے بعد اُس جماعت کے ذریعے سے عملی اقدامات کیے جائیں۔ اس طرح درجہ بہ درجہ نظریہ اور جماعت پیدا کرنا حکمتِ عملی کا پہلا مرحلہ ہے۔ اس سے ہی نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

www.rahimia.org

خطبات و بیانات

افادات: حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ
جانشین حضرت رائے پوری رابعؒ و مسند نشین خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزادؔ رائے پوری مدظلہٗ نے 2/جنوری 2015ء/10/ربیع الاوّل 1436ھ کو ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ لاہور میں نمازِ جمعہ کے شرکا سے خطاب فرمایا، جس کے چند اہم اقتباسات درج ذیل ہیں:

کامل ترین ہستی

معزز دوستو! انسانیت کی ترقی اور کامیابی حضور اقدس ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی تعمیر و تشکیل کرنے میں ہے۔ آپؐ انسانوں میں وہ عظیم الشان انسان اور انسانیت کے امام ہیں کہ ان سے بڑھ کر کوئی افضل البشر اور اعلیٰ ترین درجے کا انسان نہیں ہے۔ انسانوں میں کامیابی اور کامرانی کے لیے اُن لوگوں کے راستے کو بطورِ معیار مانا گیا ہے، جو اپنے شعبے میں اعلیٰ ترین صلاحیتوں اور استعدادات کے حامل رہے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ زندگی کے ہر شعبے میں، خواہ وہ ہیلتھ سائنسز کا شعبہ ہو، فزکس، کیمسٹری یا ریاضی کا شعبہ ہو، یا دنیا کے جتنے بھی علوم اور زندگی کے جتنے بھی شعبے ہیں، ان میں انسانی زندگی میں کردار ادا کرنے والے جو نمایاں ترین لوگ ہیں، انھیں پیش نظر رکھ کر اس شعبے کی ترقیات کے دائرے متعین کیے جاتے ہیں۔

یہ تمام شعبے جو دراصل انسانی زندگی کے کسی ایک پہلو سے وابستہ ہوتے ہیں، ان میں معیارات کا تلاش کرنا تو آسان ہے، لیکن نبوت کا وہ عظیم الشان منصب، جس کے ذریعے سے ایک انسان غیب کے نظام کے متعلق دنیا میں اطلاعات فراہم کرتا ہے، اور نہ صرف علومِ نبوت کا فیضان اس کی ذات سے ہوتا ہے، بلکہ ایک عملی نظام بھی انسانیت کی ترقی اور فلاح و بہبود کا اس کے ذریعے سے آتا ہے۔ اسے معیار ماننا بہت اونچے درجے کی بات ہے۔ امام الانبیا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ وہ عظیم الشان نبی ہیں کہ جنھوں نے بین الاقوامی سطح تک انسانوں کے تمام بین الاقوامی شعبوں میں نہ صرف علومِ الٰہیہ دنیا میں منتقل کیے، بلکہ ان علوم کی اساس پر عملی نظام بھی بنایا۔ آپؐ سے پہلے کے انبیا کسی ایک قوم، نسل یا کسی ایک خاص خطے کے لیے انسانیت کی ترقی اور فلاح و بہبود کا نظام قائم کرنے کے لیے دنیا میں مبعوث ہوئے۔ انھوں نے غیب کی خبریں اُس ایک محدود دائرے کے اندر رہ کر دیں، جس درجے کی اُن کی بعثت تھی اور اُسی درجے کے مطابق اُن کی ذمہ داریاں تھیں۔ لیکن حضور اقدسؐ کی بعثت مشرق و مغرب، شمال و جنوب، غرض! دنیا کی تمام بین الاقوامی نسلوں، خطوں اور علاقوں کے لیے ہوئی۔ اس لیے آپؐ کے علومِ نبوت دنیا میں تمام انسانوں کی فلاح و بہبود کے لیے نازل ہوئے۔ اور کتابِ مقدس قرآن حکیم نبی اکرمؐ پر نازل ہونے والی وہ جامع ترین کتاب ہے کہ جو دراصل کُل انسانیت کی فلاح و بہبود کا پروگرام رکھتی ہے۔

ہمہ گیر بین الاقوامی نظام کی تشکیل

حضرت اقدس رائے پوری مدظلہٗ نے خطاب کرتے ہوئے مزید فرمایا:

حضور اقدس ﷺ کی بعثت جن اعلیٰ مقاصد کے لیے ہوئی اور جو اہداف و مقاصد آپؐ کے پیش نظر رہے، وہی انسانیت کے لیے معیار ہیں۔ اس لیے کل انسانیت کے لیے اللہ نے کہا ہے کہ: ''تمھارے لیے حضورؐ کی ذاتِ گرامی میں اسوۂ حسنہ ہے۔'' ہر فرد اپنی اپنی صلاحیت و استعداد، اپنی اپنی ذمہ داریوں کے تناظر میں حضور اقدسؐ کی سیرت اور آپؐ کی زندگی کے ہر ایک اہم ترین پہلو سے رہنمائی لے سکتا ہے۔

آپؐ کی زندگی کے یوں تو سینکڑوں اور بے شمار شعبے ہیں اور ہر پہلو سے کامل انسان بننے کے طریقے آپؐ کی سیرت و سوانح، آپؐ کی زندگی کے ایک ایک لمحے اور ایک ایک پل سے ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ان میں سے بعض باتیں کچھ لوگ مانتے ہیں، کچھ لوگ نہیں مانتے۔ غیر مسلم آپؐ کی اس دعوت کو قبول نہیں کرتے۔ اور جو مسلمان مانتے ہیں، ان میں بھی کوئی کسی پہلو سے مانتا ہے، کوئی کسی دوسرے پہلو کو مانتا ہے۔ لیکن ایک بات ثابت ہے کہ آپؐ کی بعثت سے لے کر اب تک دنیا کے تمام معاشروں کا کوئی ذی ہوش انسان اس حقیقت کا انکار نہیں کرسکتا کہ ساتویں صدی عیسوی میں آپؐ نے آکر دنیائے انسانیت میں ہمہ گیر بین الاقوامی نظام تشکیل دیا ہے۔ یعنی انسانی معاشرے کو یکسر بدل دیا۔ 610ء میں انسانی معاشرہ جس حالت پر تھا، 633ء میں وہ مکمل بدل گیا۔ ایک عالمی انقلاب، ہمہ گیر تبدیلی پیدا کی، پوری تاریخ بدل کر رکھ دی۔ ہر عقل مند انسان یہ بات ماننے پر مجبور ہے کہ اس تئیس سالہ دور میں حضورؐ نے سیاست، معیشت، تہذیب، کلچر اور تجارت بدل دی۔ اسی طریقے سے پوری سوسائٹی کا فکر و نظریہ بدل دیا۔

حضورؐ دنیا میں آئے تو ابوجہل کا جہالت، ظلم، ناانصافی پر مبنی نظام موجود تھا اور جب دنیا سے تشریف لے گئے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کا علم، عدل اور انصاف پر مبنی ایک بین الاقوامی نظام قائم تھا۔ اس طرح ایک اولوالعزم جماعت کے ذریعے خطے کے اندر ایک عملی نظام موجود تھا۔ آپؐ کے اس انقلاب یا تبدیلی کا نقطۂ عروج غزوۂ احزاب کا موقع ہے کہ جس کو قرآن حکیم میں نبی اکرمؐ کا اسوۂ حسنہ قرار دیا گیا۔ آپؐ نے مکہ مکرمہ میں جماعت کیسے بنائی۔ جماعت میں ڈسپلن کیسے قائم کیا۔ اس جماعت نے آکر مدینے میں میثاقِ مدینہ کے ذریعے اپنا سسٹم اور نظامِ حکومت کیسے قائم کیا اور پھر مدینے میں اپنی اس ریاست کی تشکیل کے ذریعے سے گرد و نواح کی مزاحمتی طاقتوں اور قوتوں کے مقابلے پر آپؐ نے کیا اقدامات کیے۔ اور پھر جب ساری کی ساری طاقتیں مقابلے پر آگئیں تو آپؐ کی دلیری اور بہادری کا کیا عالم تھا۔ کس طریقے سے آپؐ نے پوری حزب اللہ کے بل بوتے پر، متحدہ احزاب کے محاذوں کا مقابلہ کیا۔ یہ انقلاب یا تبدیلی جو حضور اقدسؐ نے احزاب یعنی متحدہ طاقتوں اور قوتوں کے مقابلے پر پیدا کی، یہی دراصل اسوۂ حسنہ اور نمونہ ہے۔

www.rahimia.org

نبوت کا اصل مقصد اور ہدف

حضرت اقدس رائے پوری مدظلہٗ نے خطاب کرتے ہوئے مزید فرمایا:

ہم ربیع الاوّل کے مہینے میں آیتِ مبارکہ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (21:33) تلاوت کرتے ہیں اور حضوؐر کا جو اسوۂ حسنہ بیان کیا جاتا ہے، وہ کالی، سبز یا سفید پگڑی، حلوہ مانڈا، تعویذ گنڈے، جلسے جلوس نکالنے اور چادریں چڑھانے یا کوئی چراغاں وغیرہ کردینے کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا، اگرچہ وہ چراغاں کسی سُود یا حرام خوری کے مقام پر ہی کیوں نہ ہوں۔ جب کہ سیرتِ نبوی ﷺ کے اس تناظر اور معیار کو سامنے رکھنے کی ضرورت ہے کہ جس کو قرآن حکیم لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ کے ذیل میں بیان کرتا ہے۔ یعنی سیرت کا وہ پہلو، جس پر دنیا متفق ہے، جو جرأت اور ہمت، دلیری اور بہادری اور دین کے عملی نظام قائم کرنے اور سب سے بڑھ کر اپنے سسٹم کی تبدیلی سے عبارت ہے، وہ نظریہ آج ہماری نظروں سے غائب ہے۔ ربیع الاوّل کے مہینے میں سیرت کے موضوع پر بڑے بڑے سیمینار ہوں گے، لیکچرز دیے جائیں گے۔ اس حوالے سے بڑے بڑے قصے اور واقعات سنائے جائیں گے۔ بات یہ ہے کہ نبوت کا اصل مقصد اور ہدف ہماری نظروں سے اوجھل ہوگیا ہے۔ حضوؐر کی جس زندگی کو قرآن نے معیار بنایا، وہ معیار ہمارے دائرے سے خارج ہوگیا۔ فروعی چیزوں پر جھگڑیں گے، لیکن جو دنیا کی سامراجی اتحادی اور طاغوتی قوتیں اسلام کا بین الاقوامی نظام قائم کرنے کے راستے کی رُکاوٹ ہیں، ان سے جھگڑا نہیں کریں گے۔ جو سودخوری اور زنا کاری کو فروغ دیتی ہیں، جو انسانیت دشمن رویوں کو سوسائٹی کے اندر فروغ دیتی ہیں، جو انسانیت کی تباہی اور بربادی کے فیصلے کرتی ہیں، جو قتل و غارت گری کا ارتکاب کرتی ہیں، جو معاشی دہشت گردی، سیاسی تباہی اور بربادی، بچوں کے قتل کے ارتکاب کے لیے اسلحہ اور فنڈز مہیا کرتی ہیں، وہ متحدہ طاقتیں اور قوتیں، وہ ''الاحزاب'' جو چاروں طرف کی پارٹیاں متحد ہوکر پوری دنیا کے مسلمانوں اور انسانیت کو تباہ و برباد کرنے کے درپے ہیں۔ اس کے مقابلے میں سیرت کے تناظر میں مزاحمتی عقل و شعور یا انقلابی جدوجہد کا کوئی تذکرہ نہیں ہوتا۔

ہماری حکومتیں روایتی اور رسمی طور پر 12/ ربیع الاوّل کو بیان جاری کردیتی ہیں کہ حضوؐر کا اسوۂ حسنہ اپنایا جائے۔ جب کہ خود یہ حکومتیں سامراجی متحدہ محاذ کے آلہ کاری کا کردار ادا کرنے کے علاوہ کچھ نہیں کرتیں۔ دنیا کے لیے رحمت کی بجائے زحمت اور تباہی و بربادی کا سبب بن چکی ہیں۔ دہشت گردی کو فروغ دینے، اسلام کے نام پر انسانوں کو قتل کرنے، بدامنی اور ناانصافی کو فروغ دینے کا کام کرتی ہیں۔ قرآن حکیم واضح اور دوٹوک پیغام متعین کرتا ہے کہ حضوؐر کی سیرت کا وہ انقلابی پہلو جس کے ذریعے سے جرأت پیدا ہوتی ہے، دلیری آتی ہے، عزم و ہمت پیدا ہوتی ہے، انسانیت کے مسائل کے حل کرنے کے لیے ایک عالم گیر انقلاب برپا کرنے کا عمل شروع ہوتا ہے، انسانیت کی ترقی کے لیے کردار ادا کرنے کے مواقع ملتے ہیں، عدل، امن اور معاشی خوش حالی کے مواقع سامنے آتے ہیں، اس اسوۂ حسنہ کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔

ایمان کی بنیادیں؛ اسوۂ حسنہ کے تناظر میں

حضرت اقدس رائے پوری مدظلہٗ نے خطاب کرتے ہوئے مزید فرمایا:

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ تین باتیں ایسی ہیں کہ جس جماعت میں پائی گئیں، اس نے کامل ایمان حاصل کرلیا: (1) تمھارے دل سے عدل و انصاف کا نظریہ پھوٹے۔ (2) تمھارے لیے امن و انصاف اور سلامتی کا نظام قائم کرنے کے لیے اپنی جان، مال خرچ کرنے کا جذبہ موجود ہو۔ (3) اور تیسری بات حضوؐر نے فرمائی کہ: معاشی وسائل کم ہونے کے باوجود اُن کی منصفانہ تقسیم اور لوگوں میں مل بانٹ کر کھانے کا عمل ہو۔ (رواہُ البخاری) یہ تین چیزیں ایمان کی بنیاد ہیں، یعنی عدل، امن اور معاشی خوش حالی اور تمام لوگوں کی ترقی کے لیے کردار ادا کرنا۔

آج ہم ذرا اپنے گریبان میں جھانکیں، کیا ہماری سوسائٹی میں عدل کا نظریہ ہے؟ یا سرتاپا ظلم کی سوچ اور نظریہ ہماری سوسائٹی میں غالب ہے؟ بھائی بھائی پر ظلم کرتا ہے۔ مذہبی نمائندہ مذہبی نمائندے پر ظلم کرتا ہے۔ سیاست دان سیاست دان پر ظلم کرتا ہے۔ اور یہ سب مل کر عوام پر ظلم کرتے ہیں۔ ظلم کی سوچ اور نظریہ سر سے پاؤں تک ہماری سوسائٹی میں ہے۔ ہم کیسے اُسوۂ حسنہ، حضوؐر کو مان رہے ہیں؟ نبوت کے بنیادی منصب اور رحمة للعالمین کے بنیادی تقاضے کو پورا کرنے کے بجائے ہم نے اپنے اندر انتشار، افتراق، نفاق، بزدلی، بدامنی، قتل و غارت گری، بے انصافی اور معاشی دہشت گردی جیسے امراض پال لیے۔ سیرت کے اس مقدس مہینے میں سیرت کے اس بنیادی پہلو کو سمجھنے کی ضرورت ہے، جو انسانی معاشرے کے اندر فکر و عمل اور سوسائٹی کی پوری سماجی زندگی میں تبدیلی کا باعث ہے۔ جب تک اس کو نہیں سمجھتے تو سیرت کے نام پر صرف منافقت کی جاسکتی ہے۔ دین کا اعلیٰ پیغام انسانیت کے سامنے نہیں رکھا جاسکتا۔

حضوؐر کی سیرت کا عملی پہلو انسانیت کے سامنے تبھی آئے گا کہ جب ہمارا عمل نبی اکرمؐ کی سیرت کے مطابق ہوگا۔ غیر مسلم کو کیا پتہ کہ حضوؐر کیسے تھے۔ وہ تو ہمیں دیکھے گا کہ یہ محمد رسول اللہؐ کو ماننے والے ساٹھ مسلمان ممالک کے معاشرے کیسے ہیں؟ اگر ان کے معاشرے کرپٹ اور تباہ کن حالت میں ہیں، دہشت گردی، ظلم اور ناانصافی کے عذاب میں مبتلا ہیں، تو نعوذ باللہ ان کے خیال میں حضوؐر کا خاکہ کیا جائے گا؟ اولاد کو دیکھ کر باپ پہچانا جاتا ہے۔ اگر اولاد نالائق ہو جائے تو باپ کے لیے رسوائی کا باعث بنتی ہے۔ ہم خود تو نالائق اور ڈوبے ہوئے تھے ہی، لیکن اپنی اس نالائقی، بزدلی، منافقت، بدامنی اور بداخلاقی کے نتیجے میں نعوذ باللہ حضوؐر کی سیرت پر کیچڑ اچھالنے کا باعث بن رہے ہیں۔

ہمیں اجتماعی اور انفرادی طور پر اپنے غلط افکار و خیالات، غلط نظامِ حیات، غلط سیاست، معیشت اور اپنی سوسائٹی کے اُن تمام غلط رویوں اور بداخلاقیوں سے توبہ کرنی ہوگی، جنھوں نے ہمارا معاشرہ جہنم بنا دیا۔ سیرت کو درست تناظر میں سمجھنے اور قرآنی تعلیمات کے تناظر میں اپنے رویوں کا جائزہ لینے کے لیے ہمیں انقلابی طریقۂ کار اپنانا ہوگا۔ تبھی دنیا اور آخرت کی کامیابی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق دے۔ آمین!

بچوں کا کالم

چوہدری افضل حق رحمۃ اللہ علیہ

بچو! عمدہ لکھنے کی کوشش کرو

(چوہدری افضل حقؒ آزادی کے عظیم رہنما تھے۔ اپنی قوم کی تعلیم و تربیت اور اَخلاقی معیار کی بلندی ہمیشہ ان کے پیش نظر رہی۔ ذیل میں ان کے اُن خطوط کی تلخیص شائع کی جارہی ہے، جو اُنھوں نے 1939ء میں راولپنڈی جیل سے اپنے بچوں کے نام لکھے۔ دراصل ان کے مخاطب قوم کے ہر دور کے نونہال ہیں۔ مدیر)

بلقیس بی بی۔ السلام علیکم

شمس الحق کا خط نہیں آتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اپنی خراب لکھائی کی وجہ سے شرمندہ ہے۔ آئندہ تم خود احتیاط کرو۔ اس کو کہو کہ وہ اپنے ہاتھ سے خط لکھے۔ عمدہ لکھنے کی کوشش کرے۔ آہستہ آہستہ لکھائی بہتر ہوجائے گی۔ عمدہ لکھائی بھی بڑی نعمت ہے۔ جو بچے محنت کر کے عمدہ لکھائی کرتے ہیں، عمر بھر لوگ اس کو دیکھ دیکھ کر واہ واہ کرتے ہیں۔ عمدہ خط سے پتہ چل جاتا ہے کہ بچے کی طبیعت محنتی ہے اور وہ زندگی میں کامیاب رہے گا۔ بعض لوگ تو خط سے طبیعت کا اندازہ لگا لیتے ہیں۔ لکھائی دیکھ کر ہی یہ بات بتا دیتے ہیں کہ لکھنے والا سمجھ دار ہے یا بے وقوف۔ صاف دل ہے یا بُری طبیعت رکھنے والا شریر۔

بچو! تم جانتے ہو کہ مَیں دن بھر تو لکھنے پڑھنے کا کام کرتا ہوں، لیکن کئی برسوں سے شام کے بعد دماغی کام نہیں کرتا۔ جب یہ خط لکھنے بیٹھا تو چار بجے اور چائے کا وقت ہوگیا۔ یہیں تک لکھ کر کاغذ رکھ دیا کہ چلو صبح ہی تو ڈاک جائے گی، اب کیا جلدی ہے۔ کل خط لکھ لیں گے۔ چناں چہ چائے پی کر کھیلنے لگے۔ شام کو قدرے گرمی رہی۔ پھر تیز ہوا چلی، سمجھے کہ خوب نیند آئے گی۔ آناً فاناً بادل گھر کر آئے اور یوں گرجے، گویا دو دیو آسمان پر لڑ رہے ہیں اور چیختے چلاتے ہیں۔ پھر یہ سمجھ کر کھسیانے ہو کر باہر لیٹ رہے کہ شاید بادل بن برسے گزر جائیں گے۔ کبوتر بلی کو دیکھ کر یونہی آنکھیں بند کر لیتا ہے کہ مجھے بن دیکھے قریب سے نکل جائے گی۔ تاہم وہ دیکھ پاتی ہے اور اُچک کر نوالہ بناتی ہے۔ غرض بادلوں نے ہم کو باوجود ہمارے پڑ رہنے کے تاکا اور بوندا باندی شروع کر دی۔ جو غریب قیدی ہماری خدمت میں لگائے گئے ہیں، وہ دن بھر کے کام سے تھک کر چور ہو جاتے ہیں۔ ہم ان کو اپنے بھائیوں کی طرح سمجھتے ہیں۔ اس لیے ان کی تکلیف کے خیال سے ان کو مدد کے لیے نہ بلایا۔ خود ہی بستر کا گٹھڑ بنا کر سر پر دھرا۔ جیل والوں نے میری بیماری کی تکلیف کے خیال سے بستر اتنا بڑا اور بوجھل بنا رکھا ہے کہ مجھ کو معلوم ہوا کہ ہمالیہ سر پر اُٹھا کر جا رہا ہوں۔ چھوٹے بچوں کی طرح جنھیں ابھی چلنا پھرنا نہیں آتا۔ میرے قدم ڈگمگاتے تھے۔ میں پاؤں کہیں ڈالتا تھا' پڑتے کہیں تھے۔ اگر ایک قیدی لپک کر میرے سر کا بوجھ اپنی گردن پر نہ لیتا تو بس ''چیونٹی کا آٹا گر گیا تھا۔'' اب اندر سوئے تو مچھروں نے کان کے قریب مونہہ لا کر ''کنامنا گُررر'' کہہ کر اٹھکیلیاں شروع کیں۔ بارے بڑی رات گزری تو نیند آئی۔ آنکھ جھپکی تو صبح ہوگئی۔ اُٹھے تو گرم کپڑے اوڑھ کر۔ یہ اس شہر کے موسم کا حال ہے۔ گھڑی میں تولہ گھڑی میں ماشہ ہے۔

تاریخِ اسلام کے ناقابلِ فراموش واقعات

مولانا مفتی عبدالقدیر، چشتیاں

مامون الرشید کی فقہی بصیرت

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ خلفائے راشدین کے دور کے بعد ملوکیت آگئی اور بادشاہانِ اسلام آج کے بادشاہوں کی طرح خودسر اور قانونِ اسلام سے نابلد اور آمر مطلق ہوتے تھے۔ یہ تاریخ کو انفرادی نقطہ نظر سے دیکھنے کا غلط نتیجہ ہے۔ حقیقی صورتِ حال یہ ہے کہ اکثر خلفائے بنواُمیہ یا خلفائے بنوعباس اور سلاطین اسلام قرآن وسنت کے عالم، فقہ اسلامی کے ماہر اور اس کے پابند ہوتے تھے۔ ان کے دربار میں علما اور ماہرینِ علوم کثرت سے جمع رہتے تھے۔ درجِ ذیل واقعے کا مطالعہ ہماری صحیح رہنمائی کرتا ہے۔ ہماری روشن تاریخ ایسے بے شمار واقعات سے بھری پڑی ہے۔

امیرالمؤمنین مامون الرشید عباسی کے ہاں ایک دن علما کا مجمع تھا، ہر فن کے اہل کمال ان کے ہاں موجود تھے۔ ایک عورت فریاد لے کر آتی ہے کہ میرا بھائی چھ سو اشرفیاں چھوڑ کر انتقال کر گیا، مگر لوگوں نے ترکے میں مجھ کو ایک ہی اشرفی دلوائی۔ مامون نے ذرا دیر دل ہی دل میں کچھ حساب لگایا۔ دیکھا تو سہام (ترکہ میراث کے حصص) صحیح تھے۔

(مامون نے) عورت سے کہا: ''ہاں! تجھ کو اتنا ہی ملنا چاہیے۔''

اس غیرمتوقع جواب پر سب کو حیرت ہوئی۔ علما نے پوچھا: امیرالمومنین! کیوں کر؟

مامون نے کہا:

''متوفی کی دو بیٹیاں ہوں گی۔ دوثُلث (دوتہائی) یعنی چار سو اشرفیاں تو ان کو مل گئیں۔ ماں بھی ہوگی، جس کو سُدس 1/6 یعنی سو اشرفیاں پہنچیں۔ زوجہ کو ثُمن 1/8 یعنی پچھتر اشرفیاں ملی ہوں۔ 25 اشرفیاں باقی رہیں۔''

مامون نے عورت کی طرف مخاطب ہو کر کہا: ''سچ کہنا! تیرے بارہ بھائی ہیں؟'' عورت نے تسلیم کیا۔ مامون نے کہا: ''دو دو ان کو ملیں۔ ایک باقی رہی، وہ تیرا حق ہے۔''

المامون۔ از شبلی نعمانی۔ ص: 174

مذکورہ بالا واقعے سے مندرجہ ذیل نتائج اور حقائق سامنے آتے ہیں:

1. مامون الرشید کے دربار میں علما اور ہر شعبے کے اہل کمال مشاورت کے لیے جمع ہوتے تھے۔
2. امیرالمؤمنین تک ہر عام وخاص کو اپنے حق کے سلسلے میں رسائی میسر ہوتی تھی۔
3. عورت نے صرف اپنا حصہ ایک اشرفی بتلا کر مظلومیت ظاہر کی، باقی ورثا کا ذکر تک نہیں کیا۔
4. مامون کی قانونِ اسلامی بالخصوص علم المیراث والمعاشرت پر دسترس تھی۔ اسی لیے تو مجلس کے علما اس حاضر جوابی پر متعجب ہو کر حقیقت جاننے کا تقاضا کرتے ہیں۔

عظمت کے مینار

قطبِ عالم حضرت عالی شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ

وسیم اعجاز، کراچی

ولی اللّٰہی تحریک کے اکابرین کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ انھوں نے انبیائے کرام علیہم السلام کے اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھ کر اپنے دور میں پیدا شدہ زوال اور غلامی کا مقابلہ کرتے ہوئے خطے کی آزادی اور قومی غلبے کے حصول کے لیے بڑی جرأت اور بہادری سے کام کیا۔ انھی عظیم حضرات میں قطبِ عالم حضرت عالی شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ اس عظیم سلسلے کی ایک اہم کڑی ہیں۔

قطبِ عالمؒ 1270ھ/1853ء میں موضع تِگری ضلع انبالہ پنجاب میں پیدا ہوئے۔ ان کے والدِ محترم راؤ اشرف علی خاںؒ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے بیعت اور ان کے تربیت یافتہ تھے۔ 1857ء کی جنگِ آزادی میں شرکت کی بنا پر انگریزوں کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رہنے کے لیے سفر کے دوران حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے یکے بعد دیگرے تِگری میں راؤ اشرف علی خاںؒ کے گھر پر بھی قیام فرمایا۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی خدمت میں حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ حاضر ہوئے تو وہ حاجی صاحبؒ کو بچوں میں بہت منفرد نظر آئے تو حاجی صاحبؒ نے ان سے انتہائی شفقت کا اظہار فرمایا۔

حضرت عالی رائے پوریؒ نے قرآنِ حکیم کی ابتدائی تعلیم تِگری میں حاصل کی۔ اس کے بعد لدھیانہ میں مولانا محمد لدھیانویؒ سے تعلیم حاصل کی۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی ہدایت کی مطابق مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور سے 1874ء میں درسِ نظامی کی تکمیل کی۔ ان کے اساتذہ میں مولانا محمد مظہر نانوتویؒ، مولانا احمد علی سہارن پوریؒ، مولانا احمد حسن کان پوریؒ اور مولانا جمعیت علیؒ شامل ہیں۔ ان کی پہلی بیعت حضرت شاہ عبدالرحیم سرساویؒ سے تھی۔ حضرت عالی رائے پوریؒ ان کے خلیفہ اجل ہوئے۔ انھوں نے اپنے مشائخ کرام کے حکم سے سہارنپور کے قصبہ رائے پور ضلع سہارن پور میں ایک ایسے مرکز کی بنیاد رکھی، جس نے ''خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور'' کے نام سے شہرت حاصل کی۔ 1882ء میں انھوں نے قصبہ رائے پور کے متصل ایک باغ میں مستقل قیام کا آغاز فرمایا جو آئندہ چل کر ''گل زارِ رحیمی'' کے نام سے مشہور ہوا۔ سفرِ حج کے دوران حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے ان کو اجازت وخلافت سے نوازا اور فرمایا: ''تم قرآنِ پاک کے شغل اور اس کے ساتھ عشق ومحبت کی وجہ سے مجھ سے بھی بڑھ گئے ہو۔'' سفر سے واپسی پر گنگوہ میں امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے ملاقات ہوئی اور اجازت سے سرفراز ہوئے۔ حضرت گنگوہیؒ کو اہم معاملات کے حل کرنے میں حضرتِ عالی رائے پوریؒ پر بڑا اعتماد تھا۔ اُلجھے ہوئے انتظامی معاملات کو حل کرنے میں ان کو بڑا ملکہ حاصل تھا۔ کئی بار دارالعلوم دیوبند اور سہارن پور کے انتظامی مسائل حل کرنے کے لیے حضرت گنگوہیؒ نے ان کو اپنا قائم مقام بنا کر بھیجا۔ اسی اعتماد کا نتیجہ تھا کہ حضرت رائے پوریؒ کو 1902ء میں دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ سہارن پور کا سرپرست مقرر کر دیا گیا۔ ان دونوں ذمہ داریوں کو حضرت عالیؒ نے بڑی فہم وفراست اور عمدگی سے سرانجام دیا، جس کا اظہار مختلف اکابرین کے ہاں بڑی کثرت سے ملتا ہے۔ حضرت گنگوہیؒ نے اپنی زندگی ہی میں ان کا اعتماد تمام اداروں اور تحریکات میں بٹھا دیا تھا۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ جو کہ حضرت گنگوہیؒ کے سیاسی فکر اور تحریکاتِ آزادی کے حوالے سے عملی سرگرمیوں کے ذمہ دار اور رہنما تھے، ان کا تعلق بھی حضرت رائے پوریؒ سے کر دیا۔ چناں چہ ان تمام امور میں مشاورت اور نگرانی کا عمل آپؒ سے بھی متعلق تھا۔ یوں خانقاہِ گنگوہ کی نسبت اور عملی سرگرمیوں کی امین، خانقاہِ رائے پور بن گئی۔

حضرت عالی شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے درمیان بڑا گہرا تعلق تھا۔ دونوں یک جان دو قالب تھے۔ دونوں حضرات کی طبیعتوں میں بڑی یکسانیت تھی۔ حضرت شیخ الہندؒ نے ترجمہ قرآن کا آغاز بھی اس شرط پر کیا کہ حضرت رائے پوریؒ اس پر نظرِ ثانی فرمائیں گے۔ نظارۃ المعارف القرآنیہ دہلی، جہاں حضرت شیخ الہندؒ کی نگرانی میں حضرت امام عبیداللہ سندھیؒ کام کر رہے تھے، اس ادارے کی سرپرستی اور رہنمائی بھی حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ فرما رہے تھے۔ اس سلسلے میں حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت رائے پویؒ میں باہمی مشاورت بھی ہوئی۔ آپؒ نے رائے پور میں بیٹھ کر قومی آزادی کی تحریک میں مشاورت، رہنمائی اور مالی امداد سے بھرپور تعاون فرمایا۔ حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ کی طرز پر فکری رہنمائی اور افراد سازی کا عمل بھی جاری رکھا۔ تحریکِ ریشمی رومال کے سلسلے میں جب حضرت شیخ الہندؒ حجاز تشریف لے جانے لگے تو مدرسہ مظاہر العلوم میں تحریک کے مرکزی مشاورتی بورڈ کے اجلاس میں یہ فیصلہ ہوا کہ ہندوستان بھر میں اب عملی ذمہ داریاں حضرت عالی شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ ادا کریں گے۔

حضرت عالی رائے پوریؒ نے ولی اللّٰہی تحریک کی وراثت اور جانشینی کا حق ادا کرتے ہوئے اَخلاق واحسان، دین کی سربلندی، انسانیت دوستی اور سامراج دشمنی کی اساس پر فکروعمل کی راہ روشن کی۔ اس فکروعمل سے ایسے چراغ روشن ہوئے، جنھوں نے اگلے دور میں بھی علمائے حق کی جدوجہد اور کاوش کو آگے بڑھایا۔ مایوسی اور مرعوبیت کے ماحول میں جرأت، ہمت، اخلاص اور قربانی کا جذبہ پیدا ہوا اور دینِ حق کی سربلندی کی سوچ اور شعور اُجاگر ہوا۔ حضرت عالی رائے پوریؒ میں ضبط اور تحمل بہت زیادہ تھا۔ بڑی سے بڑی تکلیف کو چھپا لیتے تھے۔ آخری زمانے میں مستقل بخار رہنے لگا تھا۔ طبیب کے اصرار اور سوال پر فرمایا: ''مجھے بخار اس دن شروع ہوا، جس دن حضرت گنگوہیؒ نے اس دنیا کو الوداع کہا اور اس کا بدن پر ظہور اس دن ہوا، جس دن خبر سنی کہ مولانا محمود حسن مالٹا میں قید ہوگئے۔'' سوزشِ عشق کی اس حالت نے مرض الموت کی شکل اختیار کر لی اور 26/ ربیع الثانی 1337ھ/ 29/ جنوری 1919ء کو داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ حضرت عالیؒ کا مزار گل زارِ رحیمی خانقاہِ عالیہ رائے پور میں مرجع خلائق ہے۔ ان کے وصال کے موقع پر مشاہیر نے اردو، فارسی اور عربی زبان میں طویل مرثیے تحریر فرمائے۔ خاص طور پر حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ نے ''مسدسِ مالٹا'' کے عنوان سے ایک طویل مرثیہ تحریر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان اکابرین کے مشن کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

www.rahimia.org

عاشق علی سوہو، لاڑکانہ

خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور شریف

مرکزِ رُشد و ہدایت خانقاہِ رائے پور
دعوتِ غلبہ دین خانقاہِ رائے پور
پیامبری قرآن و حدیث خانقاہِ رائے پور
راہبری آزادی و حریت خانقاہِ رائے پور
کردار پیغمبرانہ خانقاہِ رائے پور
عمل مجددانہ خانقاہِ رائے پور
شریعت ، طریقت ، و نبوی سیاست خانقاہِ رائے پور
دین کی جامعیت خانقاہِ رائے پور
کارِ بندہ ہر دم سنتِ مصطفیٰ ؐ خانقاہِ رائے پور
دورِ حاضر کی حکمت عدمِ تشدد خانقاہِ رائے پور
وارث امام ربانیؒ خانقاہِ رائے پور
جانشین ولی اللّٰہی خانقاہِ رائے پور
پیامِ مرگ بہ فرنگ خانقاہِ رائے پور
سرپرستی ریشمی رومال خانقاہِ رائے پور
سماج میں عدل و انصاف خانقاہِ رائے پور
سیاست میں امن و آشتی خانقاہِ رائے پور
حق معیشت میں مساوات خانقاہِ رائے پور
درجاتِ معیشت میں توازن خانقاہِ رائے پور
روشنی علم ، عقل و عدل خانقاہِ رائے پور
فکر میں وحدتِ انسانیت خانقاہِ رائے پور
بہت سی خانقاہیں ہیں ہند و پاک میں ’عاشق‘
اک یک خانقاہ جامع دین و دنیا رائے پور

رحیمیہ ڈائری اور کیلنڈر 2016ء

ادارہ کی خوب صورت ”رحیمیہ ڈائری“ 2016ء طبع ہوچکی ہے۔ مختلف رنگوں کے ٹائٹل پر ادارے اور ڈائری کا نام اِمپوز شدہ ہے۔ ڈائری کھولنے کے لیے گولڈن اسٹیچ سے اس کی پائیداری میں اضافہ ہوا ہے۔ ڈائری کی قیمت -/350 (ساڑھے تین صد روپے ہے، جس کے ساتھ ایک خوب صورت کیلنڈر مفت ہے۔ رحیمیہ ڈائری خود بھی استعمال کیجیے اور دوستوں کو بھی تحفے میں دیجیے۔

دینی مسائل

اس صفحے پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں!

از جناب مولانا مفتی عبدالقدیر شعبہ دارالافتا ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

سوال 1 پاؤں پر موزے پہنے ہوئے ہوں تو اُن پر مسح کرنے کا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب موزوں پر مسح کرنا جائز ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ موزے چمڑے یا ریگزین کے ہوں اور انھیں طہارتِ کاملہ (وضو) کی حالت میں پہنا گیا ہو۔

سوال 2 ایک دفعہ موزے پہننے کے بعد کتنے عرصے تک ان پر مسح کیا جاسکتا ہے؟

جواب وطن میں مقیم افراد ایک دن ایک رات تک مسح کرسکتے ہیں، جب کہ مسافر کے لیے تین دن تین راتوں کی مدت ہے۔ موزوں پر مسح کے بعد پہلی دفعہ بے وضو ہونے کے وقت سے یہ مدت شروع ہوگی۔ اس مدت کے دوران اگر موزہ اُتار لیا یا تین چھوٹی انگلیوں کی مقدار کھل گیا یا پھٹ گیا تو مسح ٹوٹ جاتا ہے۔

سوال 3 موزوں پر مسح کی مقدار اور طریقۂ کار کیا ہے؟

جواب پاؤں کے اوپر چھوٹی تین انگلیوں کے بقدر مسح کرنا فرض ہے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو پانی سے تر کرکے ذرا کشادہ رکھ کر ہر دو موزوں پر پاؤں کی انگلیوں پر رکھ کر اوپر کی طرف کھینچ کر ٹخنے کی طرف پھیر لیا جائے۔

سوال 4 کیا اُون یا سُوت کی بنی ہوئی موٹی جرابوں پر مسح جائز ہے؟

جواب اگر اونی یا سوتی جرابوں میں موزوں والی شرائط پائی جائیں تو ان پر مسح جائز ہے۔ یعنی جرابیں گاڑھی، دبیز اور ایسی موٹی ہوں کہ ان کو پہن کر اگر تین میل چلا جائے تو نہ پھٹیں۔ ان کو پہن کر پنڈلی پر نہ بھی باندھیں تو نہ گریں۔ ان میں پانی نہ چھنے۔ ان کے اندر سے کوئی چیز نظر نہ آئے۔ ان شرائط کی حامل جرابیں بھی موزوں کے حکم میں ہیں۔

سوال 5 عام اونی یا سوتی جرابوں پر مسح کرنا کیسا ہے؟

جواب معمولی سُوتی اور اُونی یا نائیلون وغیرہ کی جرابوں پر جن میں مذکورہ بالا شرائط نہ پائی جائیں، مسح کرنا ہرگز جائز نہیں۔ البتہ اگر نیچے پہن کر اس کے اوپر چمڑے وغیرہ کا باقاعدہ موزہ پہن لیں تو اس پر مسح جائز ہے۔

سوال 6 ہر قسم کی جرابوں پر مسح کے جواز کے لیے ایک حدیث بیان کی جاتی ہے کہ آپ ﷺ نے جرابوں پر مسح کیا۔ اس حدیث کا حکم اور مفہوم کیا ہے؟

جواب اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے اور اس میں انھوں نے آپ ﷺ کے زیرِ استعمال جرابوں کے بارے میں ”ثخینین“ (موٹی جرابیں) کا لفظ استعمال کیا ہے، ان پر مسح جائز ہے۔ جیسا کہ سوال نمبر (4) کے جواب میں بیان کیا گیا ہے۔ موٹی جرابیں نہ ہوں تو تمام فقہا کے نزدیک مسح کرنا جائز نہیں۔ آج کل زیادہ تر نائیلون کی باریک جرابیں زیرِ استعمال ہوتی ہیں، ان پر مسح کرنا جائز نہیں۔

مدیر اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع و ناشر نے اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہ نامہ ”رحیمیہ“ رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئنز روڈ لاہور سے جاری کیا۔